قرآن مجید کا پرتو سمجھتے ہیں، اس لیے وہ اس نوعیت کی سیرت نگاری کے شدید ناقد ہیں جس میں ''فن'' سیرت نگاری پر غالب ہو، چنانچہ لکھتے ہیں:

''سیرت نگاری کو ''فن'' کے اظہار کا ذریعہ ہرگز نہیں بنانا چاہیے، مثلاً بغیر نقطوں کے سیرت کی کتاب۔ سیرت نگاری کے باب میں فن کو مخدوم نہیں، خادم ہونا چاہیے۔ ورنہ فن کے مخدوم ہونے کی صورت میں سیرت کے پیغام کی روح اور اس سے چھلکتی تاثیر، ہم سے غیر محسوس انداز میں چھنتی چلی جائے گی۔'' (ص:۳۱)

تاریخ گواہ کہ مسلمانوں کے دورِ زوال میں اس طرح کے لطائف ہماری علمی تاریخ کا حصہ رہے ہیں کہ ایک شخص کسی موضوع پر ایک ضخیم کتاب لکھتا، پھر خود ہی ''اختصار نویسی'' کے فن کے اظہار کے لیے اس کا اختصار لکھتا اور پھر خود ہی اس کی شرح لکھنے بیٹھ جاتا۔ اس قسم کی ''قلمی عیاشیاں'' اس وقت کی جاتی ہیں جب آپ کے پاس کہنے کو کچھ باقی نہ بچے۔ ہماری نظر میں میاں صاحب کی یہ رائے کہ سیرت نگاری کو اپنے فن کے اظہار کا ذریعہ بنانا، فن کی خدمت ہے، سیرت کی ہرگز نہیں، قابل توجہ ہے، کیونکہ اگر غلبہ فن کو حاصل ہوگا تو خدشہ ہے کہ فن کے تقاضوں کو نبھاتے ہوئے سیرت سے وابستہ بعض حقائق تشنہ رہ جائیں گے اور پھر اس نوعیت کی سیرت نگاری پر اہم سوال یہ ہے کہ کیا سیرت کا متحرک پہلو ختم ہو گیا ہے؟ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ سیرت کے عجائبات کبھی ختم ہونے والے نہیں ہیں۔

چوتھا اصول: سیرت نگاری کے جدید رجحانات میں جزئیات نگاری ایک جدید اور قابل قدر رجحان ہے۔ اس وقت محققین کا ایک بڑا طبقہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے انفرادی پہلوؤں کو اپنی تحقیق کا موضوع بنائے ہوئے ہیں، مثلاً: طبِ نبویؐ، رسول اللہؐ کی جنگی حکمت عملی، رسولِ اکرمؐ بطور معلم، رسول اللہؐ بطور ماہر نفسیات، نبی اکرمؐ بطور تاجر، وغیرہ ایسے موضوعات ہیں جن پر کثرت کے ساتھ لکھا جا رہا ہے۔ سیرتِ نبویؐ کے بیان میں جزئیات نگاری کا اسلوب قابلِ تعریف ہے، لیکن اس نوعیت کی سیرت نگاری میں رسالتِ محمدیؐ کا مجموعی تاثر نظر انداز ہو رہا ہے۔ میاں انعام الرحمٰن جدید سیرت نگاری میں اس خلا کی نشاندہی کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

''سیرت کی کسی ایک جہت پر قلم اٹھانے والے سیرت نگار کو اسوۂ حسنہ کی ''کلیت'' دھیان میں رکھنی چاہیے۔ ایسا نہ کرنے کی صورت میں وہ اس طبی ماہر جیسا ہوگا جو پورے جسم کا لحاظ رکھے بغیر صرف متعلقہ عضو کی دیکھ بھال کرنے کی کوشش کرے۔ اس کے نتیجے میں دیگر اعضا تو متاثر ہوتے ہی ہیں، متعلقہ عضو بھی آخر کار مزید بگاڑ کا شکار ہو جاتا ہے۔ سیرت کے باب میں خوامخواہ کے اعتراضات اٹھانے والے مستشرقین و مستغربین و دیگر افراد اسی نوع کے 'ماہر' ہیں کہ اسوۂ حسنہ کی کلیت ان کی نظروں میں سما نہیں پاتی۔'' (ص:۳۴، ۳۵)

جزئیات نگاری کے ''نقصانات'' کی ایک مثال قرآن مجید کی سائنسی تفسیر کا رجحان ہے۔ معروف مستشرق ڈاکٹر موریس بوکائے نے قرآن مجید اور بائبل کا تقابلی مطالعہ کرنے کے بعد جب اپنی معروف کتاب "The Bible, The Quran and The Science" مرتب کی تو چونکہ موصوف علوم القرآن پر گہری نظر نہ رکھتے تھے اور محض ایک سائنسدان اور ڈاکٹر ہی تھے، اس لیے اپنی تحقیق میں قرآن مجید کے موضوع اور اس کے نزول کے حقیقی مقصد کو پیش نظر نہ رکھ سکے۔ فاضل مستشرق نے تمام سائنسی حقائق کو قرآن مجید سے ثابت کرنے کی کوشش کی۔ ان کی اس تحقیق کے

نتیجہ میں تفسیری ادب میں بوکائے ازم کی صورت میں قرآن مجید کی سائنسی تعبیر وتشریح کے ایک نئے رجحان نے جنم لیا۔ یہ کوشش کتنی ہی اخلاص پر مبنی کیوں نہ ہو، بہرحال نزولِ قرآن کا یہ مقصد ہرگز نہ تھا کہ اس سے سائنسی حقائق کو ثابت کیا جائے یا سائنسی حقائق کی سچائی کو قرآن مجید کی روشنی میں پرکھا جائے۔ قرآن مجید کا موضوع انسان ہے اور اس کا مقصدِ نزول انسان کی ہدایت ہے۔ لہٰذا قرآن مجید کا مطالعہ اسی تناظر میں کرنا چاہیے، ورنہ لوگ قرآن مجید کو فزکس، کیمسٹری اور بیالوجی کی کتاب بنا کر رکھ دیں گے اور قرآن مجید کا اصل پیغام دب جائے گا۔

میاں صاحب نے سیرتِ محمدی میں جس ''کلیت'' کو سیرت نگاری کا اصول قرار دیا ہے، جزئیات نگاری میں اس کا لحاظ لازم ہے تاکہ کسی بھی مرحلہ پر سیرت کا مرکزی پیغام متاثر نہ ہو۔ مثلاً بطور جرنیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جنگی حکمت عملی پر لکھتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جنگی اخلاقیات پر مبنی تعلیمات کو نمایاں کرنا اصل سیرت نگاری ہوگی نہ کہ جنگ کے مختلف طریقے۔ اسی طرح بطور تاجر آپ کی زندگی پر لکھتے ہوئے کاروباری اخلاقیات (Business Ethics) کے پہلو کو اجاگر کرنا اصل سیرت نگاری ہوگی نہ کہ محض کاروباری زندگی کی تاریخ، لہٰذا جزئیات نگاری میں دروس وعبر اور دعوتی پہلو کو نمایاں کیا جانا چاہیے۔

پانچواں اصول: یہ ایک بدیہی حقیقت ہے کہ یہ دور مغربی فکر وفلسفہ کے غلبہ کا دور ہے، اسلام پر اہل مغرب کے اعتراضات کے پس منظر میں ہمارے اہل علم نے جب سیرت پر قلم اٹھایا تو سیرتِ طیبہ پر مغرب کے سوالات ان کے پیش نظر تھے۔ مغرب نے طویل علمی وفکری ارتقاء اور مسلسل تجربات کے بعد جس تہذیب کو جنم دیا، اس کے فوائد و ثمرات بھی ان لوگوں کی آنکھوں کو خیرہ کر رہے تھے، چنانچہ اس دور میں لکھی گئی کتب سیرت زیادہ تر تحفظات پر مبنی ہے۔ ان کتبِ سیرت میں مغرب کے اعتراضات کا رد بھی ہے اور اس کے ساتھ واقعاتِ سیرت کی ایسی تعبیرات بھی ہیں جن کا مقصد سیرت کا دفاع بھی ہے۔ اخلاص پر مبنی ان اہل علم کی بعض تعبیرات سے فاضل مصنف مطمئن نظر نہیں آتے، مثلاً ہمارے اہل علم نے بعض مستشرقین کے اعتراضات، ''انٹرنیشنل ہیومینیٹیرن لاء'' اور ''بنیادی انسانی حقوق کا عالمی منشور'' سے اثر پذیر ہوتے ہوئے رسول اللہؐ کی جہادی زندگی کی ایسی تعبیرات کی ہیں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپؐ کی جنگی مہمات دفاع پر مبنی تھیں۔ ان کی نظر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا رحمۃ للعالمین ہونا اس تعبیر کی بنیاد ہے۔ میاں صاحب نہ صرف اس تعبیر کو سرے سے قبول کرنے کے لئے تیار نہیں بلکہ وہ سیرتِ طیبہ کے کسی پہلو کی تعبیر میں اس قسم کی معذرت خواہی کے قائل نہیں ہی ہیں، موصوف لکھتے ہیں:

> ''اخلاق عالیہ، رحم دلی اور انسان دوستی وغیرہ کے نام پر سیرت نگاری میں معذرت خواہانہ اسلوب ہرگز اختیار نہیں کرنا چاہیے کہ زندگی کا جمالی پہلو ہی زندگی نہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ جلال و جمال ایک وحدت میں ڈھلتے ہیں یا کسی وحدت کے دو اجزاء بنتے ہیں تو زندگی کی ایک توانا اور نظر نواز صورت جنم لیتی ہے۔ پوری انسانی تاریخ میں ایک بھی قوم ایسی نہیں گزری جس نے کبھی جنگ نہ کی ہو۔ یہ اس دنیاوی زندگی کی واقعیت ہے جس سے مفر ممکن نہیں۔ اس لیے اخلاق اور رحم بھی تلوار اٹھانے کا مطالبہ کرتے ہیں۔۔۔۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صرف بشیر ہوتے، نذیر نہ ہوتے تو کیا پھر بھی خلق عظیم سے متصف ہوتے؟ محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ

صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام میں للکار نہ ہوتی تو آپؐ کا اسوہ، کیا پھر بھی اسوہ حسنہ قرار پاتا؟ خدا کی قسم! اگر محمد رسول اللہؐ بدر واحد کے میدان میں تلوار اٹھائے نہ نکلتے تو اللہ رب العزت آپؐ کو رحمۃ للعالمین قرار نہ دیتے۔'' (ص:۴۲)

یہی رائے درست معلوم ہوتی ہے کہ جنگ کی ناگزیریت کو تسلیم کرتے ہوئے رسول اللہؐ کی جہادی زندگی میں جنگی اخلاقیات کے پہلو کو اجاگر کیا جائے۔ سیرت کے قارئین پر یہ واضح کرنا ضروری ہے کہ آپؐ نے دنیا کو جنگ برائے امن کا تصور دیا۔ آپ نے ''جنگ نہیں، جنگ کی تیاری'' کا حکم دیا ہے تاکہ ظالم کا ہاتھ روکا جا سکے۔ یہ تعبیر تبھی ممکن ہے جب سیرت کے اس باب کو اس تناظر میں پڑھا جائے جس کی طرف فاضل مصنف نے اشارہ کیا ہے۔

چھٹا اصول: تزکیہ نفس مذہب کا بنیادی ہدف ہے، انسان کی شخصیت روح اور بدن کی تالیف اور امتزاج سے عبارت ہے۔ ایسا کوئی مذہب اور نظریہ کامیاب نہیں ہو سکتا جو روح اور بدن میں سے ایک کو ابھارے اور دوسرے کو کچل دے۔ عیسائیت، ہندومت، بدھ مت، اور دیگر مذاہب کی سب سے بڑی خامی یہ ہے کہ انہوں نے ترک دنیا اور رہبانیت کے تیشے سے انسانی جسم کو صرف اس لیے گھائل کر دیا ہے تاکہ انسانی روح کو بیدار کیا جا سکے۔ لیکن اس غیر طبعی تعلیم اور جان سوزی کے نتیجے میں روح کی شمع بھی گل ہو کر رہ گئی۔ اہل کلیسا نے خانقاہوں میں بسیرا کر لیا، ہندوؤں اور بدھوں نے جنگلوں کا رخ کر لیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا ایک مقصد تزکیہ نفس بھی تھا لیکن آپؐ نے نہ صرف رہبانیت کی مذمت کی بلکہ روحانی ترقی کے لئے بھرپور سماجی زندگی کو لازم قرار دیا۔ نکاح جیسے ''دنیوی عمل'' کو ایمان کی تکمیل کے لئے ضروری قرار دیا۔ اعلان نبوت سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھرپور خاندانی اور معاشرتی زندگی گزاری۔ اسلام نے تجرد اور رہبانیت کو رمضان کے دس روزہ اعتکاف اور حج تک محدود کر دیا، اعلان نبوت سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم بعض مواقع پر غار حرا ضرور گئے ہیں لیکن اعلان نبوت کے بعد حضور پھر کبھی غار حرا نہیں گئے۔ سماجی زندگی کے کڑے معیار پر پورا اترنا ہی سیرت طیبہ کا آفاقی پہلو تھا جس کو اس امت نے گم کر دیا ہے۔ میاں انعام الرحمٰن سیرت محمدیؐ کے اس تابناک پہلو کی عصری معنویت کی اہمیت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''پوری انسانی تاریخ میں انسان اور سماج کے ہمیشہ دو بڑے مسائل رہے ہیں؛ ازدواجی رشتہ اور معاشی رشتہ۔ کتنی لطیف بات ہے کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانی اور سماجی دونوں اعتبارات سے دونوں رشتے مثالی انداز میں نبھائے ہیں۔ سیرت نگاری میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کے اسی نوع کے پہلو (بات کو غلط انداز میں نہ لیا جائے) سیکولر منہج بیان کرنے چاہییں تاکہ کثیر مذہبی دنیا کے عام بشر کو راہنمائی مل سکے کہ وہ کیسے اور کیوں کر ازدواجی و معاشی رشتوں سے انصاف کر سکتا ہے۔'' (ص:۳۰)

صحابہ کرامؓ کے ذہنی رویوں کی تشکیل میں نبوی تعلیمات کا بہت گہرا اثر تھا اس لئے وہ بجا طور پر سمجھتے تھے کہ سماجی زندگی ہی روحانی ترقی کی بنیاد ہے، چنانچہ منقول ہے کہ حضرت عمرؓ نے ایک شخص کے حال کی تحقیق کے لئے گواہ طلب کئے تو ایک آدمی نے گواہی دی کہ موصوف ایک شریف آدمی ہیں۔ حضرت عمر فاروقؓ نے اس سے سوال کیا: کیا آپ اس کے پڑوسی ہیں؟ اس نے عرض کی کہ نہیں۔ پھر پوچھا: کیا آپ نے اس کے ساتھ کبھی لین دین کیا ہے؟ اس نے کہا: نہیں

۔پھر فرمایا کہ کبھی اس کے ساتھ سفر کیا ہے؟ اس نے عرض کی کہ نہیں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا: تم نے اسے رکوع، سجدے، ذکر اذکار اور تلاوت میں مشغول دیکھا ہوگا؟ اس نے کہا: ہاں۔ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا: تم اسے نہیں جانتے اور پھر آپؓ نے اس شخص کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: کسی ایسے شخص کو بلاؤ جو تمہیں جانتا ہو۔

امام محمد بن حسن الشیبانی فقہ حنفی کے مدونِ اول تھے۔ ان سے کسی نے سوال کیا کہ آپ نے زہد اور رقاق کے موضوع پر کوئی کتاب نہیں لکھی کہ لوگ اس کو پڑھتے اور ان کے دلوں میں تقویٰ پیدا ہوتا۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے کتاب البیوع لکھ دی ہے۔ یعنی جو شخص کتاب البیوع میں حلال وحرام کے احکام پر مسلسل عمل کرے گا، اس میں تدین ضرور پیدا ہوگا۔ دنیا دار العمل ہے اور عمل کا ''معیاری اظہار'' حلال وحرام کی تمیز اور مثبت سرگرمیوں سے ہوتا ہے۔

ساتواں اصول: فاضل مصنف کی رائے میں سیرت نگار کے لئے رسالتِ محمدیؐ کی آفاقیت اور عصری معنویت کے پرت کب کھلیں گے، ملاحظہ فرمائیں:

> ''سیرت نگار کو آثار وتاریخ اور روایات کے علاوہ ایسی قرآنی تفسیرات وتعبیرات سے بھی باہر جھانکنے کی جرأت کرنی چاہیے جو اسوۂ حسنہ کے باب میں واقعیت پر مبنی کسی سچائی کی راہ میں مزاحم ہوں۔ زمانے کی تحریک انگیز قوت، تکوینی سطح پر علم وہنر کے گلستان میں جونت نئے پھول کھلاتی ہے سیرت نگار کو ان کی خوشبو سے محفوظ ہوتے رہنا چاہیے۔'' (ص: ۳۹، ۴۰)

صدیوں کے علمی فکری اور تمدنی سفر میں مختلف معاشروں اور تہذیبوں نے عمرانی علوم میں کئی تجربات کئے ہیں۔ سوشل سائنسز کے عنوان سے سماجی زندگی کے مختلف گوشوں پر تحقیقات اب باقاعدہ درس گاہوں میں نصاب کا حصہ ہیں۔ سیرت نگار کے لئے لازم ہے کہ وہ جدید سماجی علوم وفنون سے واقفیت حاصل کرے تاکہ سیرت نگاری میں ''سفر جمال'' کی عزم داستان رقم کرنا اس کا نصیب بن سکے۔

راقم الحروف کو اعتراف ہے کہ زیر نظر کتاب ''سفر جمال: نبی مکرمؐ کی جمالیاتی مزاحمت کی پرعزم داستان'' پر جس طرح نظر ڈالنے کا حق تھا، وہ ادا نہیں ہوسکا، بلکہ درست بات تو یہ ہے کہ کتاب کے مقدمہ کا، جس میں سیرت نگاروں کے لئے ''فکری غذا'' کا دریا موجزن ہے، مکمل تعارف بھی نہیں کروایا جاسکا، لیکن مجھے امید ہے کہ کتاب کا قاری جب کتاب میں غوطہ زن ہوگا تو اس کا دامن ان جواہر پاروں سے خالی نہیں رہے گا، جو سیرت کے قارئین کا نصیب ہوا کرتا ہے۔ شرط صرف یہ ہے کہ وہ کتاب کے مطالعہ میں محبت وعقیدت کے ساتھ اپنی فکری صلاحیت کو بھی پوری طرح بروئے کار لائے۔ کتاب کے مقدمے میں مصنف نے عصر حاضر میں سیرت نگاری کے لئے جن اصولوں کی نشاندہی کی ہے، خود مصنف نے اپنے منفرد طرز استدلال اور اسلوب نگارش کا استعمال کرتے ہوئے سیرت طیبہ کی عصری معنویت کو خوب اجاگر کیا ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مصنف کی اس خدمت کو قبول فرمائے اور ان کے لئے توشۂ آخرت بنائے۔ (آمین بجاہ طٰہٰ و یٰسین ﷺ)